اور اجماعِ امت سے ثابت ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں (مذکورہ) چھ مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ اور بخاری و مسلم میں ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:

"لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي"

"جب اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، ایک کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش پر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی ہے"۔

بیہقی اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے:

"ثُمَّ خَلَقَ الْعَرْشَ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَيْهِ"

"پھر اللہ نے عرش پیدا فرمایا اور پھر اس پر مستوی ہوا"

اس حدیث کی سند امام ترمذی نے صحیح قرار دی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی کتاب التوحید میں مجاہد سے "استویٰ" کا معنی "علا" نقل فرمایا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہٖ مستوی ہے، اس کا علم و قدرت اور تدبیر ہر جگہ اس کی مخلوق کے ساتھ ہے۔ اس کے استواء کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی اور نہ اس کی کوئی مثال دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کرنا ممکن ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں سب سے عمدہ قول امام مالکؒ کا ہے:

"استواء عقلاً معلوم ہے۔ کیفیت نامعلوم، اس پر ایمان لانا واجب اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے"۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ کبریٰ ج ۵ ص ۱۱۹)

استواء کی غلط تاویل

معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ منکرینِ صفاتِ باری تعالیٰ "اللہ کی اس صفت "استواء" کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی کئی غلط تاویلیں کرتے ہیں جن میں سے دو معانی زیادہ مشہور ہیں:

۱۔ "استویٰ" بمعنی "استولیٰ"۔ یعنی "غلبہ حاصل کیا"۔

یہ معنی قرآن و حدیث اور سلفِ امت کے خلاف اور قطعاً ناقابلِ قبول ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ پہلے عرش پر غالب نہ تھا، جو اس کی شان میں گستاخی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر غالب ہے، کوئی اس کا ند مقابل بھی نہیں ہے۔ جس پر وہ غلبہ حاصل

کرے — "وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" (الحدید: ۲)

۲- دوسرا معنٰی استوٰی کا "عَمَدَ إِلٰی خَلْقِ الْعَرْشِ" کیا گیا ہے۔ یعنی "عرش کی پیدائش کا قصد فرمایا" یہ بھی سراسر نصوص کے خلاف ہے جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ "اللہ کا عرش آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے قبل پانی پر تھا" صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ قَبْلَهٗ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ.... ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"

یعنی "اللہ موجود تھا، اس سے قبل کوئی شئے نہ تھی، اس کا عرش پانی پر تھا"..... "پھر اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے"

اس پر مستزاد یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں معنوں کی لغت سے بھی قطعاً تائید نہیں ہوتی اور قرآنی اسلوب بھی اس کی تائید نہیں کرتا جبکہ پہلا معنٰی جسے سلف صالحین اور جمہور مسلمانوں نے اختیار کیا ہے، اس کی تائید قرآنِ کریم کے عام اسلوب سے بھی ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا:

"فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَی الْفُلْكِ" (المؤمنون: ۲۸) "جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر قرار پکڑ لیں!"

"لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ" (الزخرف: ۱۳) "تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھو!"

"وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ" (ہود: ۴۴) "اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری!"

ان سب آیات میں "استوٰی" کا معنٰی "استقرار" اور "علا" ہی ہے۔ چنانچہ یہی معنٰی "استوٰی علی العرش" کا ہے۔ جس پر کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں صحابہ کرامؓ۔ تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین اور سلف امت (رحمہم اللہ) کا اجماع ہے۔ اور جس کا انکار کتاب وسنت کی صریح نصوص کا انکار ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

قرآنِ کریم کی آیاتِ معیت سے غالباً ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یا انہوں نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جیسے فرمایا:

"وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ" (الحدید: ۴)

"وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو!"

نیز فرمایا:

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (التوبۃ: ۴۰)

"(آنحضرت علیہ السلام نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا) "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

نیز:

"اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ" (الشعراء: ۶۲)

"(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) "بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ دکھائے گا۔"

نیز فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ" (النحل: ۱۲۸)

"بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے بھی ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں۔"

یہاں سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ بذاتہٖ ہر جگہ موجود ہے اور یہ غلط فہمی قرآن کے عام اسلوب، لغوی استعمال اور سلفِ امت کے مسلک سے روگردانی کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ "حلولیہ" نے یہ تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے اور وہ اپنی مخلوق سے الگ کوئی ذات نہیں ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔ اس کے متعلق سلفِ امت کا صحیح مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر بلند بالا ہے۔ بذاتہٖ عرش پر مستوی ہے۔ اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کی مخلوق اس سے جدا ہے۔ اور وہ اپنے علم و قدرت کے ساتھ اپنے عام بندوں کے ساتھ ہر جگہ ہے اور اپنے انبیاءؑ اور اولیاء کے ساتھ اپنی تائید اور نصرت کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنی مخلوق سے قریب تر ہے، ہر وقت اسے اس کا علم ہے اور ان پر اس کی قدرت ہے۔

مذکورہ بالا آیات اسی پر دلالت کرتی ہیں اور یہی معنیٰ ہے آیت کا:

"مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ۔ الآیۃ" (المجادلۃ: ۷)

اور نبی علیہ السلام سفر پر نکلتے وقت یہ دعاء فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ"

"اے اللہ تو سفر میں ساتھی اور گھر میں خلیفہ ہے۔"

باری تعالیٰ سبحانہٗ سفر میں مسافر کے ساتھ بھی ہے اور اس کے وطن میں اس کے اہل کے ساتھ خلیفہ بھی ہے۔ اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ اس کی ذات پاک لوگوں کی ذاتوں میں ملی ہوئی اور

مختلط ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم اور اپنی قدرت سے ان کا ہر جگہ مصاحب ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" (الحجرات: ۲۹)

"محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں (یعنی ایمان لائے ہیں)"!

نہ کہ ان کی ذاتیں آپؐ کی ذات میں ملی ہوئی ہیں۔ بلکہ وہ اپنے ایمان اور حمایت کی وجہ سے آپؐ کے مصاحب ہیں۔

نیز فرمایا:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ" (النساء: ۱۴۶)

"وہ ایمان اور موالات میں مومنوں کے ساتھ ہیں"

الغرض اللہ پاک اپنے بندوں کو جانتا ہے اور وہ اپنے علم و قدرت کی بدولت ہر جگہ ان کے ساتھ ہے۔ اور اس کے علم و قدرت کا ان کے ساتھ ہونا بھی اس کی معیت ہے۔ وہ عرش معلی پر مستوی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

اور وہ اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اپنے علم اور اپنی قدرت کے ساتھ جیسے اس نے خود بیان فرمایا!

واللہ اعلم و علمہ اتم وحکمہ احکم!

ردِّ تقلید اور حدیث کے حجتِ شرعیہ ہونے پر

حجیتِ حدیث

شیخ ناصر الدین البانی کی مایہ ناز کتاب

ضخامت	ترجمہ	قیمت
۸۸ صفحات	حافظ عبدالرشید اظہر	۹ روپے صرف

ناشر: ادارہ محدث ۹۹ جے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴